موہ رکھتا ہے ۔ اتنا ہی زیادہ اس کا جنم مرن کا چکر لمبا ہوتا ہے یعنی وہ بار بار جنمتا اور مرتا ہے ۔ اسی لئے بھگوان مہاویر کا پہلا اُپدیش دنیا والوں کو یہی ہے کہ وہ موہ کے جال کو توڑ پھینکیں ۔ دان دینا بھی انہوں نے اسی لئے شروع کیا کہ یہ موکش کا بڑا بھاری سادھن ہے اور موہ کو ہٹاتا ہے ۔

خودغرضی بندھن کا جال ہے ۔ کرم بندھن کی چکی سے رہائی اپنی خودغرضی چھوڑنے سے ہی ہو سکتی ہے ۔ خودغرضی موہ کا کارن بنتی ہے ، موہ ، رنج و خوشی پیدا کرتا ہے ۔ رنج و خوشی کرم کے بندھن میں ڈالتے ہیں ۔ اس لئے انسان کو لازمی ہے کہ وہ بنیادی غلطی سے بچے ۔ یعنی خودغرضی کو نزدیک نہ آنے دے ۔ اپنا پیٹ اور اپنا آپ ہی ہمیشہ سامنے نہ رکھے ۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے تن سے من سے دوسروں کی سیوا کرے ۔ سیوا دھرم بہت اونچا دھرم ہے ۔ یہ انسان کی آتما کو بہت اونچا اٹھا سکتا ہے ۔ دان دینے سے انسان کی آتما میں پوترتا اور شانتی آتی ہے ۔ اور یہی دو گن ہیں جن سے منشیہ کا کلیان ہو سکتا ہے ۔

بھگوان مہاویر کا سادھو بننا

بھگوان مہاویر نے اپنے بڑے بھائی راجہ نندی وردھن کی اجازت لیکر اپنی دیکشا لینے کی تاریخ مقرر کرلی تھی۔ راجہ جی بھی اب اپنے چھوٹے بھائی کی اس پوتر خواہش میں کوئی مزید رکاوٹ ڈال کر اس میں دیر کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ لیکن بلاشبہ اس سے پیشتر راجہ جی نے راجکمار وردھمان جی کے سامنے دنیاوی لذات کے پرلوبھن رکھ کر ان کی آزمائش کی تھی۔ اور وہ اس میں سو فیصدی پورے اترے تھے۔ آخر کار جب راجہ جی کو بالکل یقین ہوگیا کہ وہ تمام کوششیں رائیگاں گئی ہیں اور بلکہ جتنا وردھمان جی کو ویراگ مارگ سے پرے ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے اتنا ہی وہ زیادہ اس طرف راغب ہوتے ہیں اور ان کی بیقراری اور اضطراب اتنی ہی زیادہ بڑھتی گئی ہے تو یہ خیال کرکے کہ ایسی آتما کو ویراگ کے رنگ میں رنگے جانے سے روکا نہ جائے۔ چنانچہ راجہ جی نے وردھمان جی کو اپنی دلی خواہش پوری کرلینے کی اجازت دے دی تھی۔

جوں جوں دیکشا کا دن نزدیک آرہا تھا بھگوان مہاویر کے چہرے پر جلال بڑھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں روئے زمین کا تاج پہنایا جاتا ہے۔ یا ترلوکی کا راج پانا ہے۔

راجہ نندی وردھن بھی یوم دیکشا کی طیاری میں مصروف ہوگئے۔ چنانچہ انہوں نے امراء اور وزرا کو حکم دیا کہ شہر کو اس دن کے لئے نئی دلہن کی طرح سجایا جائے اسے بقعۂ نور بنا دیا جائے۔

جین سادھو کا دیکشا مہوتسو نہایت ہی مؤثر منظر پیش کرتا ہے زیادہ سے زیادہ سجاوٹ کی جاتی ہے راج تلک کے دن بھی اتنی سج دھج نہیں ہوتی جتنی اس موقعہ پر ہوتی ہے۔ راج تلک کی آراستگی و پیراستگی

کو تو لوگ تماشا سمجھ کر دیکھنے آتے ہیں لیکن دیکشا مہوتسو کو دیکھنا پرم دھرم سمجھا جاتا ہے۔ اسے پنیہ کرم خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے جو عنصر، جو ذوق شوق، جو اُمنگیں اور جو چاؤ لوگوں کے اس دن ہوتے ہیں وہ اور کسی شان وشوکت کے موقعہ پر نہیں ہو سکتے۔

راجہ صاحب کے ملازمین حکم پاکر پوری تندہی سے طیاری میں مصروف ہو گئے جگہ جگہ پر منڈپ طیار کئے گئے۔ شامیانے اور قناتیں نصب کی گئیں۔ جھلکاریاں لٹکائی گئیں۔ گلکاریاں کی گئیں۔ بندن وار باندھے گئے۔ جھنڈیاں لگائی گئیں۔ غرضیکہ شہر بھر میں کوئی ایسا مقام یا کوچہ نہ تھا۔ جو کسی نہ کسی طرح سے آراستہ نہ کیا گیا ہو۔

دُور دُور سے راجے مہاراجے۔ سردار۔ رئیس۔ امیر۔ جاگیردار اور دیگر عہدہ دار اس موقعہ پر آئے۔ شراوک لوگوں کی بھیڑ کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ اس موقعہ کی رونق کا یہ عالم تھا کہ جین شاستر کے فرمان کے مطابق سارے دیوتا ہی اس منظر سے محظوظ ہونے کے لئے آئے تھے۔ ایک بڑی بھاری مرصع پالکی جس کا نام "چندر پربھا" تھا طیار کی گئی۔ اس میں ہیرے جواہرات جڑے گئے اور ان کے ہار پرو کر ساتھ لٹکائے گئے۔ نفیریاں۔ باجے۔ ڈھول۔ سنکھ اور دیگر کئی قسم کے سُریلے ساز جگہ بجگہ بج رہے تھے۔ بازاروں میں اور چھتوں پر دونو طرف لوگ صفیں باندھ کر کھڑے تھے۔ باجوں میں سے جو دلکش سُر نکلتے تھے وہ گویا زبانِ حال سے پکار کر کہتے تھے کہ اے لوگو! جو انسان اپنی آتما کو اونچا لے جاتا ہے اس کی قدر ومنزلت کا نظارہ دیکھو۔ جو انسان نیم، خود ضبطی۔ ایثار۔ قربانی اور نفس کشی کی زندگی بسر کرتا ہے اس کی شان کو دیکھو جو انسان اس دنیا کو ناپائدار سمجھ کر اس کو گھاس کے تنکے کی طرح یعنی ترن وت چھوڑ دیتا ہے اس کی فضیلت کا ملاحظہ کرو۔ جو انسان تخت وتاج۔ تزک و احتشام۔ شان وشوکت۔ رعب و دبدبہ۔ زرق وبرق اور جاہ وحشم کی زندگی

پر ویراگ، تیاگ اور کڑی تپسیا کے جیون کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کتنا اونچا لے جاتا ہے کس طرح سے اس کے سامنے ہزاروں آنکھیں جھپتی ہیں۔ لاکھوں سر جھکتے ہیں، بے شمار دل لٹو ہو کر قربان ہوتے ہیں۔

آخر مگھسر شکل پکش کی دس تاریخ کا وہ مبارک دن آپہنچا۔ جس دن کے لئے لوگ ترس رہے تھے۔ جس دن کے لئے مہاویر سوامی کی آتما بے چین اور بیقرار ہو رہی تھی۔ اس دن مہاویر سوامی کو کشیر ساگر کے پوتر جل سے جس میں کئی خوشبوئیں ڈال رکھی تھیں اشنان کرایا گیا۔ اسنان کے بعد جسم پر چندن اور دوسری ٹھنڈی اور خوشبو دینے والے لیپ لگائے گئے۔ اعلیٰ درجہ پوشاک زیب تن کرائی گئی اور نہایت قیمتی زیورات پہنائے گئے اور اسی چندر پربھا نامی مرصع اور جڑاؤ پالکی میں بٹھایا گیا۔ جو رونق اور شان اس موقع پر پالکی کی، شہر کی، لوگوں کی بھیڑ کی اور باجے گاجوں کی بھجن منڈلیوں کی تھی وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے نہ ہی زبان کو طاقت ہے کہ اسے بیان کرے۔ نہ ہی قلم کو یارا ہے کہ اسے رقم کرے، چنانچہ شہر کے بڑے بڑے بازاروں اور کوچوں میں سے وہ جلوس نکلا۔ پالکی پہ چوریاں جھلائی جا رہی تھیں۔ پھول برسائے جا رہے تھے۔ بادام تباشے اور نقدی نچھاور کی جا رہی تھی۔ آگے آگے راجہ نندی وردھن۔ دیگر راجے مہاراجے اور شاہی خاندان کے آدمی تھے ان کے پیچھے سردار، امرا و وزراء اور شہر کے روسا تھے، کئی ہاتھی اور گھوڑے سجے ہوئے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ قدم قدم پہ جے جے کے نعرے لگتے تھے جس کا یہ مطلب تھا، کہ نفس پر غالب آنے والا، اندریوں پر قابو پانے والا، من کو بس میں لانے والا پاکیزہ زندگی بنانے والا سیوا دھرم کو اپنانے والا انسان "جے" کے نعروں کا حقدار ہوتا ہے۔ جے کے لفظی معنی ہیں "فتح" "کامیابی"۔ سچ مچ ایسے ہی انسان کی زندگی فتح والی اور کامیاب سمجھی جا سکتی ہے۔

اس طرح سے یہ جلوس آہستہ آہستہ آگے بڑھتا گیا اور بھگوان مہاویر کے ناطے دار جہاں اسبات کا فخر محسوس کر رہے تھے وہاں وہ شری مہاویر کو مختلف طریقوں

سے مبارکباد دے رہے تھے۔ دوسرے بزرگ لوگ بھی آشیرباد دے رہے تھے کہ اس نوجوان سادھو کو ہر طرح سے اپنے ارادوں میں کامیابی ہو۔ اور اپنے سادھو جیون کو پوری سپھلتا سے نبھا سکے۔ راگ اور موہ اس پر اپنا اثر نہ کر سکتا اپنے کرموں کا خاتمہ کر کے نروان حاصل کر سکے۔

اس طرح سے یہ جلوس چلتا چلتا ایک میدان میں پہنچا وہاں اشوک درخت کے نیچے پالکی برداروں نے آرام سے پالکی اتار کر رکھ دی۔ بھگوان مہاویر باہر آگئے اور ان کی یہ بڑی خواہش تھی کہ شاہی لباس اور زیورات جلد اتار کر پھینکیں۔ گزشتہ دو یوم سے انہوں نے برت رکھا ہوا تھا۔ کچھ کھایا پیا نہ تھا اور تپسیا کرتے رہے تھے۔ اب دیکشا کا وقت آن پہنچا۔ اتر پھالگنی نکشتر کے لگتے ہی انہوں نے اپنا شاہی لباس اور جواہرات اتار دئے۔ بال ہاتھ سے نوچے گئے۔ اس وقت سارے لوگ چپ چاپ شانتی سے کھڑے تھے قدرت میں بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بھگوان مہاویر نے تب سدھ بھگوان کو پرنام کیا۔ اور سادھو پنے کی دیکشا لے لی۔ اس کے بعد جیسا کہ شاستروں میں لکھا ہے انہوں نے ستیہ مارگ اختیار کیا اور باقی ساری عمر میں کسی قسم کا بھی پاپ نہیں کیا۔ پچھلے جنموں کی کڑی تپسیا اور ریاضت کا یہ پھل ہوا کہ دیکشا لینے کے تھوڑا عرصہ بعد ہی انہیں منہ پریایہ گیان حاصل ہو گیا یعنی دوسرے کے من کی بات کو جان لینا۔

اب بھگوان مہاویر سادھو ہو کر چلنے کو طیار ہوئے یہ بھی ایک دل کو ہلا دینے والا نظارہ تھا۔ وہی خوبصورت سرو قد نوجوان جو ابھی جواہرات سے مرصع پالکی میں شاہی لباس اور ہیرے لعل کے ہار پہنے ہوئے کندھے پر سوار ہو کر آرہا تھا۔ اب بال نوچ کر سادھو برتی دھار کر ننگے پاؤں روانہ ہونے کو طیار ہے۔ شانت سے شانت اور بڑے سے بڑے مستقل مزاج آدمیوں کے دل بھر آئے آنکھوں سے آنسو ڈھلکنے لگے۔ مایوسی

چھا گئی۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ اُن کی ایک نہایت پیاری چیز جسے وہ روز دیکھ کر دل اور آنکھیں ٹھنڈی کرتے تھے۔ ان سے چھینی جا رہی ہے۔ انہیں ایسا جان پڑتا تھا کہ مانو اُن کے پران کوئی نکال کر لیے جا رہا ہے اپنے عزیز سے عزیز ناطی کی جدائی کا انہیں ایسا قلق اور صدمہ نہ ہوا تھا۔ جو آج انہیں محسوس ہو رہا تھا۔ سب کے دل کو ایسی ٹھیس لگ رہی تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ مہاویر سوامی ان سب کو اپنے ہمراہ ہی لے چلیں۔ غرضیکہ جو رنج اور تکلیف سارے حاضرین کے دل میں ولولہ انگیز تھے۔ اس کا پور بسطور برضبط تحریر میں لانا ناممکن ہے۔ قارئین کرام خود ہی محسوس کر سکتے ہیں کہ جس بھگوان مہاویر کے نئے سے نئے عجیب سے عجیب حیران کن معجزے اور کارنامے وہ روز دیکھتے تھے جس کے پیار۔ ہمدردی اور رحمدلی کے نظارے وہ روز ملاحظہ کرتے تھے۔ جس کے پوتر اور آدرش جیون سے وہ روز سبق لیتے تھے۔ اس کی جدائی کا کتنا دکھ اُن لوگوں کو ہو رہا ہو گا۔

اب مہاویر سوامی پرانی ماتر سے پریم اور اہنسا کا برت دھارن کر کے اس گیات نامی میدان میں شانتی اور نمرتا کی مورتی بنے کھڑے ہیں اور یہ عزم دل میں لے لیا ہے کہ دنیا کی جلتی ہوئی تپتی ہوئی دکھی اور بلاؤں میں گرفتار آتماؤں کو ان آفتوں سے نجات دلانی ہے۔ تب جتنے وہاں پر حاضرین بڑے سے لیکر چھوٹے تک موجود تھے سب نے انہیں نہایت ادب اور صدقدلی سے پرنام[1] کیا۔

اے دنیا والو! سوچو! اور ذرا یہ نظارہ اپنے سامنے لاؤ۔ اُٹھتی جوانی کا پورا جوبن۔ پھول سا کھلا ہوا خوبصورت جسم۔ راج کے سکھ۔ پیاری سندری استری کی محبت۔ پیاری بھولی بھالی بچی کا پریم۔ پیارے پریمی بھائی اور دوست رشتہ داروں کا پیار۔ شاہی ٹھاٹھ۔ راج کا سکھ۔ عزت۔ دولت غرضیکہ سب چیزیں موجود ہیں۔ لیکن ہمارا مہاویر کس زندگی کی طرف قدم اُٹھا رہا ہے۔ مانگ کر کھانا۔ گدلا پانی پینا۔ زمین پر سونا۔ اندریوں کو سکیڑ کر رکھنا۔ من کو آنکش کے

[1] پرنام

نیچے رکھنا، جا بجا پھرنا ننگے پاؤں جانا، گرمی سردی برداشت کرنا۔

یہ ہے وہ زندگی جس کے لیئے یہ نوجوان سارے عیش و نشاط کے سامانوں کو لات مار کر جا رہا ہے۔ کس لیئے؟ وہ کیا چیز ہے جو ان سب سکھوں سے بھی اعلیٰ ہے وہ کیا کشش ہے جو ان سب لطف اندوز اور محبت بھری چیزوں کو چھڑا رہی ہے وہ کونسا چشمہ ہے جس کی ٹھنڈک اپنی طرف کھینچ رہی ہے؟ وہ ہے آتمک سکھ، وہ ہے دائمی سرور، وہ ہے پورن آنند، وہ ہے جاودانی شادمانی۔ ان عارضی سکھوں کے اندر پھنسے ہوئے دنیا والو! ذرا سوچو، غور کرو، چند دمڑوں کو حاصل کر کے ان میں غرور اور ابھیمان سے اپنا آپ بھول جانے والو مقابلہ کرو اپنی زندگی کا، اور اس پوتر جیون کا نتیجہ کیا ہے۔ بھگوان مہاویر کا نام آج امر ہے اٹل ہے لافانی ہے۔ پتے پتے اور ذرے ذرے پر لکھا ہوا ہے۔ نہیں نہیں سورج کی ایک ایک کرن پر ہوا کے ایک ایک پرمانو پر آکاش کے ایک ایک انو پر انکت ہے۔ اس کے مقابلہ میں کتنے راجے مہاراجے، امیر و وزیر کروڑوں کی جائداد رکھنے والے اس سنسار میں ہو چکے ہیں۔ آج ان کا نام و نشان بھی نہیں، کوئی ان کا نام تک نہیں جانتا کسی کو خبر تک نہیں کہ وہ کبھی تھے بھی یا نہیں یہ اتنا فرق کیوں اس لئے کہ ان لوگوں نے اپنی زندگی صرف اپنے لئے گذاری صرف اپنی ہی خوشی اپنی ہی غرض اپنا ہی فائدہ مدنظر رکھا لیکن بھگوان مہاویر سوامی نے اپنا سب کچھ دوسروں کے ارپن کیا۔ اپنا جیون اپنی خوشی اپنی جوانی اپنا راج اپنا سکھ دکھی بھائیوں کیلئے نچھاور کر دیا۔ یہ ہے وہ فرق اکثر لوگوں کا دل اسوقت تو ایسا ہو گیا کہ ہم بھی ایسا ہی جیون بنا دیں۔ لیکن عام لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے جو لوہے کا ہوتا ہے یعنی جب تک وہ آگ میں رہتا ہے وہ چمکتا ہوا سرخ ہوتا ہے لیکن جونہی آگ سے باہر آتا ہے ویسے کا ویسا کالا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی عام لوگ جب دھرم اپدیش سنتے ہیں یا کسی مہاتما کے اعلیٰ جیون کو دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں جوش اور ابال ہوتا ہے لیکن جونہی اس جگہ سے دور ہٹتے ہیں وہ سارا جوش سرد پڑ جاتا ہے اور یہی پہلی حالت آجاتی ہے یا ان

لوگوں کی مثال وہ ہوتی ہے۔ جو ایک کمانی دار کرسی کی جب تک آدمی اس کے اوپر بیٹھا رہتا ہے وہ جھکی رہتی ہے جونہی آدمی وہاں سے اٹھتا ہے وہ وہیں پر اکھڑی ہوتی ہے۔ ایسے ہی جب تک اکثر لوگ دھرم کی باتیں سنتے رہتے ہیں ان کے دل میں نمرتا اور شانتی کے بھاو آتے ہیں۔ لیکن جونہی وہاں سے ہٹنا ہوتا ہے من اپنی نمرتا چھوڑ کر وہیں کا وہیں چلا جاتا ہے۔

بھگوان مہاویر کا نیا راجیہ

بھگوان مہاویر نے اپنے باپ کا راج چھوڑا اپنی موروثی سلطنت کو خیرباد کہا لیکن جو حکومت ان کو اب ملی ہے اس کا وہ دنیاوی حکومت عشر عشیر بھی نہ تھی آؤ ان دونو سلطنتوں دونوں حکومتوں کا کچھ موازنہ کریں۔

۱- ان کی پہلی سلطنت کی وسعت کچھ میلوں تک تھی لیکن ان کی موجودہ روحانی حکومت سارے سنسار میں پھیل گئی۔

۲- اس سلطنت میں جہاں دوست تھے وہاں کچھ دشمن بھی تھے۔ مگر ہاں باوجود حکومت کی وسعت اتنی بڑھ جانے کے کوئی ایک بھی دشمن نہیں رہا۔ بلکہ پہلے دشمن بھی درشنوں کے لئے دوڑے آتے ہیں۔

۳- پہلی سلطنت میں مجرموں کو ڈنڈ بھی دینا پڑتا تھا۔ اور شریر اور فسادی لوگوں کے لئے نفرت تھی۔ لیکن موجودہ حکومت میں بڑے سے بڑے پاپیوں کو بھی پریم سے سدھارنا ہے اور نفرت کسی سے بھی نہیں ہوتی۔ پاپ سے تو گھرنا کرنا ہے لیکن پاپیوں کو گلے لگانا ہے۔

۴- پہلی سلطنت میں اپنوں کا دائرہ محدود تھا۔ اس میں چند رشتہ دار اور ناطی تھے۔ لیکن اس روحانی حکومت میں پرانی ماترا اپنے ہو گئے۔ اب غیر رہا ہی کوئی نہیں۔ بلکہ غیریت کا جذبہ ہی مفقود ہو گیا ہے۔

۵۔ پہلی سلطنت میں رہائش کے لئے خاص کمرہ یا مکان تھا۔ اب ساری دُنیا ہی ان کا گھر ہے بلکہ ہر ایک جگہ ترستی ہے کہ اس کے اوپر وہ اپنے پوتر چرن رکھیں
۶۔ پہلی سلطنت میں ان کا دھن کچھ لاکھ روپے کا ہوگا۔ لیکن اب گیان کے اٹوٹ بھنڈار کا بے اندازہ دھن حاصل ہوگا۔ اور وہ لوگوں کے لئے ہی وقف کر دیا جائیگا
۷۔ پہلے بہت تھوڑے لوگوں کی ان تک رسائی تھی۔ لیکن اب ہر کسی دھرم کو ان کے چرن چھونے کا موقعہ ملیگا۔
۸۔ پہلے ایک مقررہ تعداد انسانوں کی سزا کے خوف سے ان کے قانونی حکم کو مانتی تھی۔ لیکن اب اُن کے روحانی حکم کی تعمیل ہر ایک شخص کرنے کی کوشش کریگا۔
۹۔ پہلے چور ڈاکو اُن کا مال و اسباب لوٹ کر لے جا سکتے تھے۔ لیکن اب وہی لوگ قدموں پر سر رکھکر اپنے پاپوں کا پشچاتاپ کریں گے اور کلیان مارگ پوچھیں گے۔ کیونکہ جو دھن انہوں نے پایا ہے وہ خود ہی لٹا دیتا ہے۔
۱۰۔ پہلے ان کی غیر معمولی لیاقت قابلیت ویرتا اور بدھی کا فائدہ تھوڑے سے لوگ اٹھا سکتے تھے۔ اب ساری دُنیا اُٹھائیگی۔
۱۱۔ پہلے بھگوان مہاویر لوگوں سے پتا پُتر کیہ برتاؤ کرتے تھے۔ اب سب سے یکساں پریم کا سلوک ہوگا۔
۱۲۔ پہلے وہ اپنے جذبات اور خواہشات کو قابو میں کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اب اُنکے اشارے مارنے سے ہی یہ دم دبا کر بھاگ جائیں گے۔

یہ چند باتیں نمونہ کے طور پر عرض ہوئی ہیں۔ ورنہ روحانی سلطنت کا مقابلہ ہونا ہی ناممکن ہے اس کی وسعت بے اندازہ ہے۔ اس کی حکومت لا انتہا ہے اس کا بدبہ لاپتا ہے۔ غرضیکہ اسکی خوبیاں اَن گنت اور شبیاں ہیں ان کی شان نرالی ہے۔ اس چھوٹی سی دنیاوی سلطنت کا اس نئی سلطنت سے وہی تناسب ہے جو ایک پہاڑ کا ایک ذرّے سے۔

جو شان اس سلطنت کی ہے جو بھگوان مہاویر نے حاصل کی وہ واقعی اَن

قابل ہے کہ انسان اس کا مالک بنے اسلئے ہم میں سے ہر ایک کو واجب ہے کہ آج سے ہی اسکے حصول کیلئے اپنا ادیوگ شروع کر دے تاکہ کسی نہ کسی جنم میں اس کے کسی نہ کسی حصے کا مالک تو بن سکے منزل پر وہی آدمی پہنچ سکتا ہے جو چلنا شروع کر دیتا ہے جو چلیگا ہی نہیں اسکے پہنچنے کا تو کوئی امکان ہی نہیں ہو سکتا اسلئے جلد از جلد اس مقصد کے حصول کیلئے ہمیں ڈٹ جانا چاہیئے۔

بھگوان مہاویر کا پہلا وِہار

بھگوان مہاویر جب پوری طیاری کر چکے تو اب چلنے کو طیار ہیں۔ سب کی آنکھیں ان کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اس گھڑی کو یاد کر کے جبکہ یہ موہنی مورت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے سب کا دل بیٹھا جا رہا ہے دھک دھک کر رہا ہے۔ لیکن دیوتا لوگ یہ خواہش کرتے ہیں کہ یہ جلدی روانہ ہوں تاکہ وہ مہان کام جس کے لئے ان کا جنم ہوا ہے جلد از جلد شروع ہو سکے۔ دوسری طرف عام لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی روانگی میں دیر ہو تاکہ کچھ عرصہ اور ان کے درشنوں کا لابھ اٹھایا جا سکے۔ آخر اس بانکے اور انوکھے سادھو نے بڑے انداز سے اس میدان کو چھوڑنے کے لئے قدم بڑھایا۔ جونہی ان کا قدم آگے بڑھا دیوتا لوگ ہنسے اور خوش ہوئے۔ ایک دوسرے کو بدھائیاں دینے لگے۔ لیکن عام لوگ اور رشتہ دار زار وقطار رونے لگے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا پیارا ہم سے جدا ہو رہا ہے۔ دیوتا لوگ محسوس کرتے تھے کہ یہ سب کا پیارا اب سب کو ملنے کے لئے سب کو کرتارتھ کرنے کے لئے روانہ ہو رہا ہے۔

آہا! عجیب انداز۔ امنگ اور شان سے یہ چھیل چھبیلا سادھو چل رہا ہے۔ وہ زمین جس پر اس کا قدم ٹکتا ہے پوتر ہو رہی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بھاگیہ والا سمجھ رہی ہے۔ وہ خوشبوئیں جو بھگوان کے جسم پر دیکشا کے رسم کے وقت لگائی گئی تھیں۔ اب سب طرف مہک پھیلا رہی ہیں۔

آؤ اس نرالے سادھو کے اہنسا برت لینے کے ساتھ ہی اسکی پریکشا کا ایک واقعہ سنائیں۔ وہ خوشبو جو ہوا میں پھیل رہی تھی شہد کی مکھیاں اس سے محظوظ ہوئیں۔ وہ اِدھر اُدھر اڑ کر دیکھنے لگیں کہ یہ کس انوکھے پھول سے سگندھی آ رہی ہے۔ آخر انہوں نے وہ پھول تلاش کر لیا اور وہ پھول مہاویر سوامی کا شریر تھا۔ مکھیاں ایسے پھول کا رس چوسے بغیر کیسے رہ سکتی تھیں جس پھول سے ایسی مہک اور للک آ رہی تھی۔ اس کا مزہ لئے بدوں وہ کیسے جا سکتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے مہاویر سوامی کے جسم سے خون چوسنا شروع کیا۔

واہ وا! کیسی کڑی آزمائش؟ کیسا سخت امتحان، کیسی کٹھن پریکشا؟ حضرت عیسےٰ نے پکارا تھا۔ اے خداوند! تو مجھ کو امتحان سے یعنی پریکشا سے بچا۔ لیکن یہ اہنسا کا اوتار اس قسم کی کوئی خواہش نہیں کرتا۔ یہ تو شاید اپنے دیرتا اور اپنے برت کا اندازہ لگانے کے لئے اس آزمائش کو لبیک کہتا ہے اسکو خوش آمدید کہتا ہے اس کو ویلکم کرتا ہے۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ جو برت میں نے لیا ہے کہاں تک میں اس پر عامل ہو سکتا ہوں۔ آج بھی زمانہ ہے کہ لوگ وعدے اور اقرار۔ قول اور وچن کرتے بعد میں ہیں اور توڑنے پہلے ہیں۔ ان کی حالت تو آجکل کی سرکاری عمارتوں کی سی ہے کہ تعمیر ابھی ادھوری ہوتی ہے اور مرمت کے اسٹیمیٹ بننے شروع ہو جاتے ہیں۔ آجکل کی حکومتیں بھی آپس میں عہد نامے شائد کرتی ہی توڑنے کی غرض سے ہیں۔ چند یوم بعد ہی انہیں ردی کاغذ کا ایک پرزہ سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے اور اسی کا نتیجہ یہ آج کے جنگ اور لڑائیاں ہیں۔ غرضیکہ کیا انفرادی طور پر یا کیا جماعتی طور پر آج وعدے وعید۔ قول و قرار کی ذرا پرواہ نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دکھ ہی دکھ دنیا میں پھیل رہا ہے۔ جس انسان یا جس قوم کو اپنے وچن کا پاس نہیں۔ اپنے پرنوں، برتوں اور نیموں کا دھیان نہیں وہ کیسے سکھ کی سیڑھی چڑھ سکتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے سکھ کے زینے ایک ایک کر کے گرانے چلے جاتے ہیں وہ خود ہی اپنے سکھ

کے درخت کی جڑوں کو کاٹتے ہیں حقیقی انسان کی تمیز یہی ہے کہ کہاں تک وہ اپنے وچن کو نبھاتا ہے کہاں تک اپنی بات پر پکا رہ سکتا ہے کہاں تک اپنے وعدے کو پورا کرتا ہے کہاں تک اپنے قول پر قائم رہ سکتا ہے جو لوگ اس اصول کو بھلاتے ہیں وہ دنیا میں نہایت بے قاعدگی اور بے ڈھنگی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کبھی وقت پر کام شروع نہیں کرتے۔ وقت کی پابندی کا انہیں شمہ بھر خیال نہیں ہوتا۔ بھارت واسی آج اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ ان کا بے قاعدگی کا جیون۔ ان کا وقت کا پابند نہ ہونا۔ ان کے لئے وبال ثابت ہو رہا ہے۔ ان کے لفظوں کا کسی کو اعتبار نہیں۔ اے بھارت کے رہنے والو! نہیں نہیں اے دنیا کے لوگو! اپنی آج کی حالت کا اس بانکے سوامی کی اس وقت کی حالت سے مقابلہ کرو کہ شہد کی مکھیاں خوشبو سے متاثر ہو کر میرے سوامی کے نازک اور ناز و نعمت سے پلے ہوئے جسم کو کاٹنا شروع کرتی ہیں۔ اس میں سے خون چوستی ہیں لیکن اس انوکھے سادھو نے اہنسا برت دھارن کیا ہوا ہے وہ ان مکھیوں کو کچھ نہیں کہتا۔ ان کو اڑا کر دکھی نہیں کرنا چاہتا۔ اس نے تو اپنا جیون ہی پرانی مات کے لئے ارپن کر دیا ہے۔ اب وہ مکھیوں کو خون چوسنے سے کیسے ہٹائے چنانچہ جب تک جسم پر خوشبو کی ذرا سی بھی رمک رہی مکھیاں خون چوستی رہیں۔ یہ بانکا سادھو نہ صرف یہ کہ مکھیوں کو جسم سے جدا نہیں کرتا بلکہ مسکراتے ہوئے امتحان کے اس مشکل پرچے کو حل کر رہا ہے۔ آخر مکھیاں خود بخود سیر ہو کر اڑ جاتی ہیں اور میرے پیارے سوامی نے سو میں سے سو نمبر اور شاندار کامیابی کا سہرا حاصل کیا۔

بعض لوگ اس واقعہ کو پڑھ کر یا سن کر ہنسیں گے کہ اس طرح سے اپنے جسم کو دکھ دینے اور مصیبت کی تکلیف برداشت کرنے میں کونسی دانائی ہے؟ ایسے لوگ اس امتحان کی مہانتا کو کیا سمجھ سکتے ہیں؟ خود ضبطی، بردباری، اہنسا برت قربانی۔ خدمت، کشما سب مضمونوں کا یہ ایک ہی پرچہ تھا، کتنا سخت پرچہ ہے

تھے۔ عام لوگوں کو کسی سفر پر روانہ ہوتے ہی اگر کسی خفیف سی تکلیف کا سامنا ہو
جائے تو وہ اپنے آپ کو بد قسمت سمجھتے ہیں۔ اپنی بد قسمتی کو بیان کرتے ہیں
اس سفر کو نامبارک اور منحوس سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ انوکھا سادھو من ہی من میں
خوش ہو رہا ہے یہ اس سفر کو مبارک سمجھ رہا ہے۔ اس واقعہ کو حوصلہ
افزا جان رہا ہے کہ اپنی سہن شکتی کو آزمانے کے لئے یہ نادر موقعہ ملا ہے۔
جو لوگ جین دھرم کے سادھوؤں کی زندگی کو مزے کی زندگی سمجھتے ہیں
کہ وہ بیٹھے بٹھائے کھا لیتے ہیں کوئی محنت مشقت نہیں کرتے۔ وہ لوگوں کی
گاڑھے پسینے کی کمائی اچھے اچھے مکانوں میں رہ کر کھاتے اور پاؤں پسار کر
سوتے ہیں۔ وہ اس تپسیا کے جیون کا خیال دل میں لائیں۔ ذرا سا کانٹا چبھنے
پر ہم بے چین اور بے قرار ہو جاتے ہیں۔ ذرا سے مچھر کے کاٹنے پر بد حال ہو
جاتے ہیں۔ لیکن واہ رے میرے بانکے سادھو! جسم کو جا بجا مکھیاں کاٹ
رہی ہیں۔ خون چوس رہی ہیں لیکن وہ مسکراتے ہوئے اس کا نظارہ دیکھ رہے
ہیں۔ کہاں تو وہ زندگی کہ کئی آدمی چوریاں لیکر کھڑے رہتے تھے کہ معمولی مکھی
بھی نزدیک نہ پھٹکے اور کہاں یہ جیون کہ معمولی مکھی نہیں بلکہ شہد کی مکھی
وہ بھی ایک نہیں بے شمار جسم پر آکر محض بیٹھتی نہیں بلکہ خون چوستی ہیں
لیکن پھر شانتی قائم ہے۔ دھیریہ بنا ہوا ہے۔ وستقلال میں ذرا بھر تزلزل
نہیں آتا۔ آخر وہ کیا چیز ہے جس کے لئے وہ دنیاوی سکھ اور آرام کا جیون
چھوڑ کر یہ کانٹوں بھرا جیون اختیار کیا ہے؟ آخر وہ کیا بات ہے کہ جس
کے لئے یہ سارا دکھ اٹھایا جا رہا ہے۔ آخر وہ کیا شے ہے جس کے حصول کے
لئے سارے دنیاوی عیش و نشاط کو لات مار کر یہ تمام کشٹ برداشت
کیا جا رہا ہے؟ وہ ہے ابدی سرور۔ وہ جاودانی خوشی۔ وہ پورن آتم آنند کہ
جس کے چشمہ تک جانے کے لئے یہی سڑک ہے جس پر ہمارا سوامی چل رہا ہے
یہی امتحان ہے جسکو ہمارا سوامی پاس کر رہا ہے۔ یہی وہ آزمائش ہے

کہ جس میں سے ہمارا سوامی گذر رہا ہے اور کامیاب ہو رہا ہے جس کسی کو اس سچے مکت کی امر سکھ دائمی اور جاودانی لطف کی تلاش ہے اسے لازمی طور پر اسی سڑک پر گامزن ہونا ہوگا۔ دنیاوی سکھوں کو لات مارنی ہوگی اس منموہنی مایا سے منہ موڑنا ہوگا۔ تپسیا اور قربانی کا جیون بسر کرنا ہوگا۔ دیر یا سویر اس سفر کو شروع کرنا ہی ہوگا۔ دانا اور بدھی مان انسان وہ ہے جو اس راہ کو جلدی سے جلدی پکڑے اور جلدی سے جلدی اس سفر پر روانہ ہو جائے۔

ہمارے سوامی کے جسم پر لگی ہوئی خوشبودار چیزوں نے ایک طرف تو مکھیوں کو کشش کر کے اس تازہ دیکشت سادھو کو پریکشا میں ڈالا اور اسے قوت برداشت اور سہن شکتی کا یہ سخت ترین پرچہ ملا۔ دوسری طرف ایک اور پرچہ ملتا ہے۔ وہ شاید اس سے بھی سخت ہے اس خوشبو سے متاثر ہو کر جہاں مکھیاں بھنبھناتی ہوئی آئی تھیں وہاں یہ نوجوان بانکا خوش شکل پھول جیسے چہرے والا سادھو جس طرف سے وایو منڈل کو مہکاتا ہوا نکلتا تھا۔ وہاں اس کی جوانی خوبصورتی اور مہک سے متاثر ہو کر خوبرو حسین یوتیاں[1] کھچی چلی آتی تھیں۔ اور اپنے ہاؤ بھاؤ سے اس بانکے سادھو کو رجھانا چاہتی تھیں۔ اے دنیا والو۔ ذرا یہ منظر اپنے سامنے لاؤ۔ کہیں دور سے بھی کوئی ایک ایسا چہرہ کھل رہا ہو تو نظر اس طرف کھچ جاتی ہے اور بلاوجہ۔ کیونکہ دوسری طرف سے کشش نہیں۔ ایک لیکن مقابلہ کرو اس نظارہ کا کہ سینکڑوں ایسے چہرے سامنے ہیں اور ان کی طرف سے کشش ہے۔ لیکن واہ رے ترالے سادھو! تیرا ہی دل جو مکھیوں کے لئے اتنا کومل تھا۔ کہ ان کو اڑانا بھی نہ چاہتا تھا اب پتھر کا بن گیا ہے ادھر دھیان ہی نہیں جاتا۔ جہاں مکھیوں پر اتنا رحم کہ انہیں خون چوسنے کی بھی اجازت تھی وہاں ان پریوں کو یہ موقعہ بھی نہیں دیا گیا۔ کہ انہیں کو ایک پر بھی بھری نگاہ سے دیکھ ہی لیا جائے۔ اگر ہم غور سے سوچیں

[1] جوان عورتیں

تو یہ اور بھی سخت پرچہ تھا۔ اور بھی زیادہ کڑا امتحان تھا لیکن ہمارا بانکا سوامی اس پرچے کو بھی اسی شان سے حل کر رہا ہے اور آخر اس میں بھی سو فیصدی نمبر لیکر پاس ہوتا ہے۔ یہ ہے سادھو جیون کی نفس کشی اور خود ضبطی۔ اس طرح سے من کو مارا جاتا ہے۔ اندریوں کی تمنائیں کسی جاتی ہیں کیا مجال کہ یہ دم مار سکیں آتما روپی حاکم ایسا بلوان اور زبردست بن جاتا ہے کہ من اور اندریوں کو چوں کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ آنکھوں کی مجال نہیں کہ ادھر اٹھ سکیں۔ پاؤں کو حوصلہ نہیں کہ اس طرف کو رخ کر سکیں۔ ہاتھوں کو یارا نہیں کہ اٹھ کر کوئی اشارہ دے سکیں۔ سب کے سب آتما کے کڑے شاسن میں سکڑے ہوئے اور سمٹے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ یہی نہیں کہ ایسی حالت میں من صرف آتما کے ڈر سے دبک کر بیٹھ جاتا ہے۔ یعنی اس کی خواہش تو ہوتی ہے کہ اس طرف راغب ہو۔ لیکن ڈر کی وجہ سے ادھر توجہ نہیں دیتا بلکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ جو ذرا سا سکھ اس بیرونی نظاروں اور بیرونی سوندریہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ اندر کے عجیب و غریب مناظر اور اندر کی لاثانی خوبصورتی سے جو سکھ مل رہا ہے اس کو چھوڑ کر من اسی عارضی اور ناپاک سکھ کی طرف جانا ہی نہیں چاہتا۔ اس لو ترشنے سے دور ہی نہیں ہو سکتا۔ اسلئے بجائے اس کے کہ اس بیرونی نظام سے محروم رہنے سے من کو کوئی افسوس یا مایوسی ہو۔ من کو نہایت زیادہ خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ وہ اصلی سچے سکھ کو چھوڑ کر جھوٹے اور مصنوعی سکھ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اس لئے ہمارے سوامی کے اس سچے سکھ سے بھرپور من نے نہ صرف آنکھوں کو ہی اس جانب متوجہ ہونے سے روکا بلکہ خود بھی اس نے اس طرف راغب ہونے کا بھاؤ ہی نہیں کیا۔ اور باطنی آنند کے سروت[1] سے محظوظ ہوتا رہا جیسے کہ اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑا سکھ ملنے پر چھوٹے سکھ کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اسی طرح یہ اعلیٰ درجے سکھ پراپت کرکے پھر من کسی اور طرف

[1] چشمہ

نہیں جا سکتا۔ ضرورت یہ ہے کہ کوشش کر کے من کو اس سچے سکھ کے سروت تک پہنچا دیا جائے۔ جیسا کہ ہمارے پیارے سوامی نے کیا۔
اے دنیا کے لوگو! آؤ ہم بھی ذرا اس مہان سوامی کے اس پوتر من کا دھیان کریں اور وہاں سے پوترتا کی کرن اپنے من میں ڈال کر اپنے من کی غلاظت گندگی آلودگی۔ ناپاکی اور اپوترتا کو دور ہٹا دیں۔ یہ ہمارا من جو جگہ جگہ الجھ جاتا ہے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ ذرا سا پرلوبھن آنے پر پھسل جاتا ہے۔ دنیا کی خوبصورتی اور نمائش کی ذرا سی کشش پا کر ادھر کا ہی ہو جاتا ہے۔ اور اپنے اصل مقصد کو فراموش کر بیٹھتا ہے اور وہی مثال ہوتی ہے

مکھی بیٹھی شہد پر پنکھ لئے لپٹا
ہاتھ ملے اور سر دھنے لالچ بری بلا

آؤ اس من کو پوتر کریں اس کو اس پوتر سوامی کے من کا نظارہ دکھائیں ایک طرف اس کی کوملتا[1] اور دوسری طرف اس کی درڑھتا[2] کی کیفیت دکھائیں اور اس سے سبق حاصل کرنے کے لئے تیار کریں۔ زندگی کی کامیابی اور ناکامیابی من کی حالت پر ہی منحصر ہے۔ من جس قدر شانت۔ پوتر۔ دھیریہ وان۔ اصل اور کومل بنیگا اتنا ہی جیون میں نکھار آئیگا۔ اتنا ہی آنند سروت کے نزدیک پہنچے گا۔ ہم کوشش کریں کہ یہ گن زیادہ سے زیادہ اس میں آئیں۔ اور کوئی ایسا کرم نہ کریں جس سے ان گنوں میں کمی آئے یا ان کے ورودھی[3] اوگن ہمارے اندر آئیں۔ تاکہ ہم بھی اپنا جیون سپھل بنا سکیں۔
سوال ہو سکتا ہے کہ یہ تو بھلا ٹھیک ہے کہ شری مہاویر سوامی ملیچوں کے کاٹنے کے دکھ کو برداشت کرتے رہے لیکن اس وقت مسکرانے کے کیا معنی ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو جو انسان دکھ میں بھی مسکرا سکتے ہیں۔ وہ دکھ کے ڈنک کو کند کر دیتے ہیں۔ دکھ اپنا اثر زائل کر بیٹھتا ہے۔ دکھ کے ہتھیار کمزور پڑ جاتے ہیں۔ دوسری وجہ مسکرانے کی یہ تھی کہ بھگوان مہاویر خوش

[1] نرمی [2] مضبوطی [3] مخالف

ہو رہے تھے۔ کہ ان کے باقی ماندہ کرموں کا بھگتان ہو رہا ہے اور جتنی جلدی یہ ہو جائے اچھا ہے تاکہ وہ اپنی منزل پر پہنچ سکیں۔ جبتک کرم پھل پورا نہ ہو جائے وہ اعلیٰ پدوی نہیں مل سکتی۔ اس سے یہ پتہ لگتا ہے کہ کرم بھوگ ہر حالت میں ملتا ہے۔ اگر ایسی مہان آتما کو بھی جو کہ تیرتھنکر بن رہا ہے۔ رہے سہے کرم پھل سے رہائی نہیں مل سکتی تو عام لوگوں کو غلطی میں نہ رہنا چاہیئے انہیں کبھی اس غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہیئے۔ کہ کرم پھل کی معافی ہو جاتی ہے یا اور طرح سے اس سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔ یہ ہر صورت میں بھوگنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہر ایک نر ناری کو واجب ہے کہ وہ اپنے کرموں کے متعلق زیادہ سے زیادہ محتاط رہے۔ کوئی بُرا کرم نہ کرے۔ جس کا بُرا پھل بھگتنا پڑے بلکہ ہمیشہ نیک اعمال کی پونجی اکٹھی کرے جس کا کہ نیک پھل حاصل ہو۔

بھگوان مہاویر پر گوالوں کا ظلم

بھگوان مہاویر کے کرم بھوگ کا ابھی تک خاتمہ نہیں ہوا۔ ابھی وہ باقی ہے اور اسے خود اسی آتما نے ہی برداشت کرنا ہے۔ یہ بھی غلط فہمی نہ رہنی چاہیئے کہ کرموں کے متعلق ایک کا بوجھ دوسرا اُٹھا سکتا ہے جو کریگا وہی بھرے گا کہیں کہیں یہ بھول لگتی ہے اور کئی لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ کرموں کا پھل منتقل کیا جا سکتا ہے۔ کئی گورو اور پیر بھی اپنے چیلوں کو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہارے کرم پھل کا بوجھ اپنے سر پر لے لیں گے۔ ایسے لوگ یا تو لاعلمی کیوجہ سے ایسی بھول میں پڑتے ہیں یا وہ دھوکہ کرتے ہیں۔

بھگوان مہاویر دو آزمائشوں سے نکل چکے ہیں اور ان دونوں میں انہوں نے دنیا والوں کو وہ نمونہ دکھایا ہے کہ جو قابل تقلید ہے۔ اب تیسری

آزمائش اور آتی ہے۔ بھگوان مہاویر چلتے چلتے شام کو کمار گاؤں میں پہنچ گئے۔ اور وہاں اپنے دھیان میں بیٹھنے کے لئے موزوں مقام پاکر ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر اپنے ناک کے اگر بھاگ پر نگاہ جماکر وہ دھیان اوستھا میں چلے گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد چند گوالے اپنی گئوئیں وہاں لاکر چرانے لگے۔ یک لخت اُن کو کہیں جانا پڑا۔ اور دوڑتے دوڑتے وہ بھگوان مہاویر کو مخاطب کرکے کہتے گئے کہ ہمارے پشوؤں کا دھیان رکھنا۔ انہوں نے اس بات کا خیال ہی نہیں کیا کہ وہ کس حالت میں ہیں اور نہ ہی انہوں نے آگے سے "ہاں" "نہ" سننے کی کوشش کی۔ جب وہ گوالے اپنا کام ختم کرکے واپس آئے تو اپنے مویشی وہاں نہ پاکر بڑے غصہ میں آئے۔ انہوں نے شری مہاویر سوامی سے دریافت کیا۔ لیکن کوئی جواب نہ پایا کیونکہ وہ تو ابھی سمادھی اوستھا میں ہی تھے اس پر ان کو اپنے جانوروں کی بابت زیادہ فکر ہوئی اور وہ ادھر ادھر ان کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرنے لگے اتنے میں وہ مویشی ادھر ادھر سے پیٹ بھر کر وہیں بھگوان مہاویر کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ گوالوں کو اپنے مویشی نہ ملے اور وہ مایوس ہوکر پھر وہیں لوٹے اور وہاں اپنے جانور کھڑے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے لیکن ان کو بھگوان مہاویر کے متعلق کچھ شک ہو گیا کہ ہمارے مویشی اسی شخص نے چرا لئے تھے اور اب یہ کہیں سے لے آیا ہے۔ یہ تو شکر اچھی ہے کہ مویشی مل گئے ورنہ نہ معلوم ہمیں کتنا نقصان اور تکلیف اٹھانی پڑتی۔ یہ سادھو نہ معلوم کتنی دیر یہاں رہیگا اور جب پہلے ہی دن اس نے یہ کرتوت کی ہے تو نہ جانے آگے آگے کیا گل کھلائیگا اس لئے اس کا ابھی سے ہی قلع قمع کر لینا چاہیئے۔ اگر آج ہم نے خاموشی لگائی تو اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ یہ پھر کوئی بڑی شرارت کریگا

ایسا کہہ کر ان لوگوں نے ان رسیوں سے جو اُن کے کندھوں پر پڑی ہوئی تھیں بھگوان مہاویر کو باندھ دیا لیکن آگے سے انہوں نے ایک لفظ منہ سے

بقیہ اگلا صفحہ

نہ نکالا۔ بولنا تو ایک طرف رہا۔ وہ اپنی سمادھی میں ہی ڈٹے رہے انہوں نے اپنے
شریر کا اہم بھاؤ ہی تیاگ دیا تھا تو ان کو اس کے دکھ سکھ کا خیال ہی کیسے آ
سکتا تھا۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ یہ کرم بھوگ لازمی ہے اس میں
گوالوں کا دوش نہیں رہا اچھے بجائے نفرت یا غصہ من میں لانے کے ان کے دل میں
پریم بھاؤ پیدا ہوا۔ واہ واہ! یہ بھی ایک انوکھی بات ہے اُدھر سے ظلم و تشدد
اور ادھر سے یہ محبت کا جذبہ۔ ایک طرف سے اتنی سختی اور دُشٹتا۔ دوسری
طرف سے یہ بردباری اور پریم کی لہر۔ بے شک لوگ خوف سے ظلم کو برداشت
کر سکتے ہیں لیکن ظالم کے لئے ان کے دل میں سخت نفرت اور کینہ ہوتا ہے۔ اگر
اُن کا بس چلے تو مخالفوں کی تکا بوٹی اُڑا دیں۔ لیکن یہاں نہ تو بدلہ کا
خیال ہے نہ ہی نفرت کا جذبہ ہے اور نہ ہی دل میں ایک رتی بھر بغض یا کینہ
ہے بلکہ برعکس اس کے وہ اپنے ایذا پہنچانے والوں کے لئے پیار اور بھلائی کے
بھاؤ اپنے دل میں ابھار رہے ہیں۔ یہ کیسا حیران کن اور انوکھا منظر ہے۔ یہ ہے
سچا سادھو جیون۔ یہ ہے جین سادھو کے من کی حالت۔ اگر مہاویر سوامی یہ
سہن شیلتا یہ شانتی اور یہ اداراتا نہ دکھاتے تو آج ان کی جو لاثانی مثال
نربھینا رصداقت، بردباری، پریم اور اہنسا کی ہم کو مشعل کا کام دے رہی
ہے وہ کہاں سے ملتی۔ دنیا کس طرح جانتی کہ طاقت والے بھی اہنسا کا کرابرت
دھارن کر سکتے ہیں اور اس کو کمال خوبی سے نبھاتے ہیں۔

جین شاستر کہتا ہے کہ جب گوالے لوگ بھگوان مہاویر کو اس طرح پر ایذا
پہنچا رہے تھے اندر دیوتا یہ برداشت نہ کر سکا۔ وہ زمین پر اُترا۔ اس نے گوالوں
کو جھڑک کر پرے ہٹایا۔ مہاویر سوامی جی کی سمادھی کھلی تب اندر نے عاجزی سے
مہاویر سوامی سے عرض کی کہ اے بھگوان! ابھی تو آپ نے دیکشا لی ہی ہے ابھی تو
آغاز ہی ہوا ہے اور ابھی سے آپ کے [illegible] کی حالت مکھیوں اور ظالم گوالوں
نے یہ کر ڈالی ہے۔ لیکن آپ نے تو بارہ سال سادھو کا جیون بسر کرنا ہے۔ تہ

معلوم اس وقت تک آپ پر کیا کیا آفتیں آئینگی؟ اس لئے بہتر ہے کہ آپ کے ساتھ چند نوکر رہیں جو آپ کی سیوا اور رکشا کر سکیں ورنہ یہ جہان کا کام جو آپ نے کرنا ہے کیسے پورا ہو سکیگا؟ کتنی اچھی اور معقول تجویز تھی۔ لیکن واہ رے شانتی اور سہن شیلتا کے اوتار! آگے سے جواب کیا دیتے ہیں وہ بھی ذرا گوشِ ہوش سے سنیئے!

"اے اندر! اول تو انسان کے وہ اپنے کرم اس کی حفاظت کرتے ہیں جو کہ اس نے پچھلے جنموں میں کئے ہیں۔ خواہ وہ جنگل میں ہو خواہ میدان جنگ میں خواہ دشمنوں سے گھرا ہوا ہو۔ خواہ مخالفین کے چنگل میں۔ خواہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر ہو۔ خواہ کنوئیں میں۔ خواہ وہ نیند میں ہو۔ خواہ بے ہوشی میں، خواہ وہ آگ میں ہو خواہ سمندر میں۔ غرضیکہ جہاں کہیں بھی وہ خوف و خطر کے مقام پر بیٹھا ہوگا اور دیگر کوئی ہستی یا شئے اس کی رکشا کرنے والی نہ ہوگی۔ اس کے شبھ کرم ہی اس کا بچاؤ کریں گے۔ دوسرے انسان کو خواہ بھالے لگیں خواہ تیر۔ خواہ وہ گولیوں کی بوچھاڑ کے سامنے ہو خواہ چمکتی ہوئی تلواروں کے سامنے۔ اس کی موت مقررہ گھڑی سے پیشتر واقعہ نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب نشچت[1] گھڑی آن پہنچے تو وہ ٹل نہیں سکتی۔ اور محض ایک تنکے یا ایک کنکر کی چوٹ سے بھی موت واقعہ ہو جاتی ہے محض گر کر ہی جان نکل جاتی ہے۔ خفیف سے خفیف کارن موت کا باعث بن جاتا ہے۔ تیسرے یہ ایک نیم ہے کہ جو تیرتھنکر ہوتے ہیں وہ دوسروں کی امداد اپنے اندرونی دشمنوں یعنی کرموں پر فتح حاصل کرنے کے لئے یا اُن پر جے پانے کے لئے نہیں لیا کرتے وہ تمام تکلیفوں کو تمام دکھوں کو تمام رکاوٹوں کو تمام مصیبتوں کو خود ہی شانتی اور دھیریہ سے اپنی ہی اندرونی جیوتی اور اپنی ہی آتمک شکتی کے بل سے خوشی خوشی برداشت کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کا واحد مقصد اپنی ہی آتمک اُنتی کے ذریعہ کیول گیان یا نروان حاصل کرنا ہوتا ہے۔ کیول گیان مل جانے کے بعد وہ اپنی آتمک اُنتی اور نیز دوسروں کا اُدّھار کرنا چاہتے ہیں۔ اُنہیں اس بات کی ذرہ بھر پرواہ

[1] مقررہ